

شهادت علی النّاس

ہمارا فرضِ منصبی

چودھری رحمت علی

خلافت پبلی کیشنز

دارالسلام، واپڈا اٹاؤن، لاہور

پیش لفظ

ایک نہ ایک دن وہ وقت آنا ہے جبکہ ہر انسان، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسلم ہو یا غیر مسلم، عجمی ہو یا عربی، گورا ہو یا کالا، بادشاہ ہو یا فقیر، غرضیکہ ہر ذی روح بشر کی عرصہ زندگی کے پورے ریکارڈ کو اُس کے سامنے رکھا جانا ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا وہ اپنے رب کے احکام کی پابندی کرتا رہا ہے یا کہ اپنے نفس اور دوسرے ہزاروں قسم کے آقاوں کی پیروی۔ ایسا تجھی ممکن ہے اگر اسے پتہ ہو کہ اُس کے رب کے احکام کیا ہیں؟ اُس کے پروردگار کی خوشنودی کس میں ہے اور کون سے اعمال اُس کے خالق و مالک کے غصب کا باعث بن سکتے ہیں؟ کیونکہ ان امور سے اگر اسے آگاہ نہ کیا جائے تو حساب کتاب والے دن وہ کہہ سکتا ہے کہ میرے رب! میں تو آپ کے احکام کی ضرور پیروی کرتا، بشرطیکہ مجھے ان سے مطلع کر دیا جاتا۔

انبیاء و رسول کا یہی فرض منصی رہا ہے کہ وہ انسانوں کو ان کے رب کی مرضی و منشا سے مطلع کرتے رہے ہیں، لیکن اب جبکہ سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے مختلف ادوار کے انسانوں کو پتہ چلے کہ ان کے پروردگار کی مرضی کیا ہے؟ ٹھیک ہے وہ انسان جو مسلمان گھرانوں میں براہ راست پیدا ہو رہے ہیں یا ہوں گے ضرور آگاہ ہیں یا ہونگے کہ قرآن کیا ہے؟ فرشتے کیا ہیں؟ قیامت سے کیا مراد ہے؟ جنت و دوزخ کو کیوں بنایا گیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کوئی نہ کوئی تو انتظام ہونا چاہیے کہ غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہونے والوں کو بھی کوئی ان امور سے آگاہ کرے اور اگر ”وہ کوئی“، جسے اس فرض پر ممکن کیا

گیا ہے ایسا کرنے سے قاصر ہے یعنی وہ اللہ کے پیغام کو دوسروں تک نہ پہنچائے تو وہ جسے آگاہ نہیں کیا گیا کچھ رعایت کا حق دار ٹھہرے اور وہ جس نے آگاہ کرنے میں چشم پوشی سے کام لیا سزا کا مستحق ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاءؐ و رسول ﷺ کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اب یہ آگاہ کرنے کے انتہائی اہم منصب پر کون فائز ہے۔ فائز ہونے والا کہاں تک اس فرض منصبی کو بھارتا ہے، نہیں بھارت تو کس انجام سے دوچار ہے یا دوچار ہونے والا ہے؟ انہی سوالات کے جوابات اس چھوٹے سے پھلفت میں دیے گئے ہیں۔ رقم امید رکھتا ہے کہ امت کو اُس کا بخواہو افرضِ منصبی یاد دلانے اور منظم طریق سے اُس پر عمل پیرا ہونے میں تحریر ہذا ایک اہم دستاویز کا کردار ادا کر گی۔

رحمت علی

احوال آخِرَت

اللّٰهُ تَعَالٰی نے اپنے پیغمبروں اور الہامی کتابوں کے ذریعہ احوال آخِرَت کے بارے میں جو تعلیمات انسانوں تک پہنچائی ہیں ان تمام کا احاطہ کرنا یہاں نہ مطلوب ہے، نہ ممکن۔ مدعا سمجھانے کی خاطر چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجِزُّ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبُلُ مِنْهَا شَفاعةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝

”اور ڈرواس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول ہوگی، نہ کسی سے کچھ لے کر چھوڑا جائے گا، اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد سکے گی ۹“ (۳۸:۲)

وَالْوَرْدُنَ يَوْمٌ شَدِّيْدٌ نَالْحَقُّ حَفَّ مَنْ ثَقَلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِأَيْتَنَا يَظْلِمُونَ ۝

”اور اس روز (اعمال کا) مٹکنا برحق ہے۔ تو جن لوگوں کے (عملوں کے) وزن بھاری ہوں گے، وہ توجیات پانے والے ہیں۔ اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے تیسیں خسارے میں ڈالا اس لیے کہ ہماری آئیوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے ۹“ (۸-۹:۷)

وَكُلُّ إِنْسَانٍ الْزَمْنَةُ طَيْرَةٌ فِي عُنْقِهِ طَ وَتُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيْمَةِ كِبِيْرًا

يَلْقَهُ مَنْشُورًا هَرَقْرَا كِتَبَكَ طَكْفِي بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا هَمْنِ اهْتَدِي
فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ حَوْنَ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضْلُّ عَلَيْهَا طَوْلَ تَرِزْ وَأَزِرَّةَ وَرَزْ أَخْرَى ط

”اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے لگے میں انکار کھا ہے۔

اور قیامت کے روز ایک نو شہر ہم اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ (کہا جائے گا) پڑھ اپنا نامہ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔ جو کوئی راست روی اختیار کر لے اس کی راست روی اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے اور جو گمراہ ہواں کی گمراہی کا وبال اُسی پر ہے۔ کوئی بوجھاٹھانے والا دوسرا کا بوجھنا اٹھائے گا۔۔۔“ (۱۳: ۱۵-۱۶)

يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ حَتَّىٰ زُلْزَلَةُ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا

تَدْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُّ كُلُّ ذَاتٍ حَمْلٍ حَمَلَهَا وَتَرَى النَّاسَ
شُكْرِيٰ وَمَا هُمْ بِسُكْرِيٰ وَلِكِنْ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ه

”لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ ہو گی (ہولناک چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہو گا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا، اور لوگ تم کو مدھوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نہ میں نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہو گا۔“ (۲۱: ۱۲۲)

فُلِ اللَّهِ يُحِيِّكُمْ ثُمَّ يُمْتِمِّكُمْ ثُمَّ يَجْمِعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ
وَلِكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ هَوَ اللَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْلَيْمَ تَقْوُمُ

السَّاعَةِ يَوْمَيْدِ يُخْسِرُ الْمُبْطَلُونَ هَوَ تَرَى كُلُّ أُمَّةٍ جَاهِيَّةً قَفْ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى
كِتَبِهَا طَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُتُّمْ تَعْمَلُونَ هَذَا كِتَبُنَا يَنْطَقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا

نَسْتَسِinx مَا كُتُّمْ تَعْمَلُونَ ه

”(اے نبی) ان سے کہو اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے۔ پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تم کو اس قیامت کے روز جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ زمین اور آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس روز قیامت کی گھڑی آکھڑی ہو گی اس دن باطل پرست خسارے میں پڑ جائیں گے۔ اس وقت تم ہر گروہ کو گھنٹوں کے بل گرا دیکھو گے، ہر گروہ کو پکارا جائے گا کہ آئے اور اپنا نامہ اعمال دیکھے۔ ان سے کہا جائے گا آج تم لوگوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یہ ہمارا تیار کرایا ہوا اعمال نامہ ہے، جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک شہادت دے رہا ہے۔ جو کچھ بھی تم کیا کرتے تھے، ہم لکھوائے جایا کرتے تھے۔“ (۲۹-۲۷:۳۵)

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمَرْءُ مِنْ أَنْحِيْهِ ۝ وَأُمِّهِ ۝ وَأَبِّهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ ۝ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِدُ شَانٌ يُغْنِيْهِ ۝ وَجُوْهَةٌ يَوْمَئِدُ مُسْفِرَةٌ ۝ صَاحِكَةٌ مُسْتَبِشَرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِدُ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهُقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ ۝ الْفَاجِرَةُ ۝

”آخر کار جب وہ کان بھرے کر دینے والی آواز بلند ہو گی، اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا۔ کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش خرم ہوں گے اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اُٹر رہی ہو گی اور کلوں چھائی ہوئی ہو گی۔ یہی کافروں فاجر لوگ ہوں گے۔“ (۳۳:۸۰-۳۲)

مندرجہ بالا آیات مشمول دوسری باتوں کے قیامت کے متعلق درج ذیل ہیئت و نوعیت کی انشان دہی کرتی ہیں۔

☆ یہ کہ انسان اس دنیا میں شتر بے مہار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک خاص مقصد اور ایک بھاری ذمہ داری کو نبھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ ذمہ داری راست روی کا طریقہ اختیار

کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں ثبت کردار ادا کرنے کی ہے گواگروہ چاہے تو غلط روی اپنائے ہوئے منفی کردار ادا کرنے کی بھی قوت واستطاعت رکھتا ہے۔

☆ اس دنیا میں اُس کا قیام ایک خاص مدت تک عارضی ہے۔ ایک دن اس دنیا کی پوری بساط کو پیٹا جانا ہے، جہاں سے انسانی زندگی کے دوسرے دور یعنی آخرت کا آغاز ہو گا اس بات کا علم کہ قیامت کب برپا ہو گی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

☆ ہر انسان، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کی پوری زندگی کے ایک ایک عمل کو ریکارڈ کیا جائے ہے۔ یہ ریکارڈ محشر کے دن انفرادی طور پر ہر انسان کو پیش کیا جائے گا۔

☆ اس عالم کے اختتام پر دوسرے عالم کا آغاز ہو گا۔ قیامت کے دن تمام انسان جو ابتدائے آفرینش سے اس دنیا کی آخری ساعت تک روئے زمین پر پیدا ہوئے ہوں گے بیک وقت دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ فرد افراد احباب و کتاب کے بعد ہر انسان کے اعمال، جو اس دنیا میں کیے گئے ہوں گے، کی نوعیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ جنت میں جانے کا مستحق ہے یا دوزخ میں گلنے سزا نے کا۔

☆ حقیقی کامیابی ان لوگوں کی ہوگی، جن کے متعلق اس دن جنت میں جانے کا فیصلہ ہو گا، خواہ اس دنیا کی پوری زندگی میں وہ بظاہرنا کام ہی رہے ہوں۔ اسی طرح وہ ناکام و نامراد ہوں گے جن کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہو گا خواہ اس دنیا کی حد تک وہ بظاہر کتنی ہی کامیاب و کامران زندگی گزار کر گئے ہوں۔

تقاضائے جوابد، ہی

روز قیامت فرد افراد جوابد، ہی کا یہ نظام مقاضی ہے کہ:

☆ ہر انسان پیدائش کے وقت مخصوص ہو یعنی وہ ہر قسم کے معاصی سے بھی پاک ہو اور کسی نکلی وغیرہ کا حامل بھی نہ ہو۔ بالفاظ دیگر اس کا حکایۃ عمل صرف حیثیت میں ہو۔

☆ نہ صرف یہ کہ اسے شعور ہو کہ اچھائی اور بُرائی کیا ہے بلکہ وہ ارادہ اور انتخاب کرنے کا

اہل بھی ہو۔

☆ عرصہ زندگی میں اسے پوری آزادی ہو کہ اچھا یا بُر اچیسا بھی عمل کرنا چاہے کرے۔
اگر ایسا کرنے میں اسے کسی روک ٹوک یا دباؤ کا سامنا ہو بھی تو وہ اس روک ٹوک اور دباؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی مرضی کے افعال کر گزرے۔

☆ اس دنیا میں آنے والے پہلے آدمی سے لے کر آخری انسان تک نشائے ایزدی اور مدعاۓ الہی چھپنے کا بندوبست ہو۔ یہ سہولت پہلے انسان کو بھی اُسی درجہ کی ہو جس درجہ کی کہ آنے والے کسی دور کے کسی انسان کو۔

☆ اس دنیا کی حد تک جزا اوسرا کا کوئی معمولی سا اظہار تک نہ ہو کیونکہ بصورت دیگر آزمائش کا مقصد ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

☆ ایسا کوئی انتظام ہو کہ روز محشر اگر کوئی انسان اپنے کسی عمل سے انکار کرے تو اس کے متعلقہ اعضاء خود اس بات کی شہادت دیں کہ ان کا حامل انسان فلاں فلاں اعمال کا مرکب ہوا۔
واقعات کی دنیا میں جب ہم ان تقاضوں کو لے کر داخل ہوتے ہیں تو ہمیں بعینہ ایک ایسا نظام ملتا ہے جس میں یہ تمام تقاضے بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں جہاں تک بے گناہ یا مقصوم پیدا ہونے کا تعلق ہے۔ قرآن یوں رقمطر از ہے۔

هُوَ اللَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ طَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بصیرہ

”وہی ہے جس نے تم کو (معصوم) پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن،
اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو“ (۲:۶۲)

متعدد احادیث میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل کی جاتی ہیں۔

”ہرچچہ جو کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے، اصل انسانی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ

ماں باپ ہیں جو اسے بعد میں عیسائی یا یہودی یا مجوہ وغیرہ بناؤ لتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہر جانور کے پیٹ سے پورے کا پورا صحیح و سالم جانور برآمد ہوتا ہے۔ کوئی بچہ بھی کتنے ہوئے کان لے کر نہیں آتا۔ بعد میں مشرکین اپنے اوہام جاہلیت کی بنابر اس کے کان کاٹ دیتے ہیں ”(بخاری و مسلم)

”تیرارب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنفی پیدا کیا تھا۔ پھر شیاطین نے آکر انہیں ان کے دین سے گمراہ کیا، اور جو کچھ میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا اسے حرام کیا اور انہیں حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک نہ ٹھہرائیں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔“ (مسند احمد)

اس جگہ پر یہ بیان کرنا شاید نامناسب نہ ہو گا کہ عیسائیت کا وہ عقیدہ کہ ”نوع انسانی نے آدم کے گناہ کا وباں و راثت میں پایا ہے اور سعی علیہ السلام کے کفارے کی بدولت نجات پانے کے سوا انسان کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے“ کسی الہامی کتاب میں نہیں ہے۔ یہ عقیدہ جسے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال عیسائیت اپنے دین کی بنیاد بنائے یہی ہے کم از کم تیسرا صدی تک موجود ہی نہ تھا۔ مشہور جرمن عالم روینڈ ہر برٹ ہاگ کا لکھنا ہے کہ ان تین صدیوں کے بعد جب یہ پیدا کی گئنگار ہونے کا عقیدہ عیسائیت میں لا گھسیٹا گیا تو تقریباً دو صدیوں تک علمائے مسیحیت کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ لیکن لگ بھگ پانچوں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں لاشامل کیا۔

جہاں تک انسانی ارادے، شعور اور انتخاب کا تعلق ہے صرف ایک انسان ہی ایسی مخلوق ہے، جس میں یہ تینوں چیزوں بدرجہ اتم و دیعت کردی گئی ہیں۔ وہ نہ صرف اچھائی یا برائی کا شعور رکھتی ہے بلکہ پوری طرح آزاد ہے اور قادر ہے کہ ان میں سے جس کسی کا ارادہ کرے، انتخاب کرے۔ یہ شعور، ارادہ اور انتخاب اس کی عین فطرت میں و دیعت کردیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالْهُمَّ هَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَهَا
 ”پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری، اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا، وہ جس
 نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراہ ہوا وہ جس نے اس کو دبادیا“ - (۹۱:۸-۱۰)

ارادہ و انتخاب کی تیکی وہ اہلین ہیں جن کو خالق ارض و سما کئی مقامات پر اپنی نعمتوں
 کے ٹھمن میں بیان فرماتا ہے۔ کہا گیا:

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ طَفِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ه
 ”اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل
 دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو“ (۲۳:۲۸)

نہ صرف یہ کہ انسان کو ارادہ و انتخاب کی اہلین ہیں بلکہ اس کے لیے اسے میدان
 کا ریعنی ایک عمر بھی عطا کی گئی جس میں وہ اپنی اہلیتوں کو اپنی مرضی کے مطابق ایک عرصہ استعمال
 کر سکے۔ پھر اس استعمال میں اسے انتخاب عمل کی پوری آزادی دی گئی وہ چاہے تو اچھائی کو
 اپنالے اور چاہے تو رُبُرائی کو۔ وہ چاہے تو ایک قسم کے عمل کرتا کرتا اپنے آپ کو جنت میں داخل کا
 مستحق بنالے اور اگر چاہے تو دوسرا طرح کے عمل کرتے ہوئے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ اس
 مہلت کے دوران جزا اسرا کا کہیں ادنیٰ تک ظہور نہ ہو بلکہ بسا اوقات جو بظاہر سزا کے مستحق ہوں
 یہاں انعام و اکرام پا رہے ہوں اور فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی سے متنقیح ہو رہے ہوں اور اس
 کے بر عکس جوانعام و اکرام کے مستحق ہوں اس دنیا کی حد تک مصائب و مشکلات سے دوچار ہوں۔
 اسی صورت حال کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

رَبِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ امْنَوْا وَالَّذِينَ

الْقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ طَ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ه

”جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کے لیے دنیا کی زندگی محبوب و دل پسند بنا
 دی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر قیامت کے روز

پر ہیزگار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مقام ہوں گے۔ رہادنیا کا رزق تو اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔

فاسق و فاجر لوگ جب جہاں کی آن گنت نعمتوں سے ممتنع ہو رہے ہوں تو نیکو کار لوگوں کو طعنہ زندگی اور مذاق کرنے پر پل جاتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ہی تو وہ یوں ان کو بر گذنیدہ و سرفراز کر رہا ہے۔ اس کے بر عکس تم ہو کہ تمہارے چہروں پر کلوں برس رہی ہے۔ ان کی ایسی ہی باتوں کے مقابلے میں راست رونفوس کو بظاہر رسولؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے قرآن یوں عمل کی تاکید کرتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ حِلْلَهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ط

يُرِيدُ اللَّهُ أَلَا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ حِلْلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ مَّا نَأَلَّهُمْ أَشْتَرُوا
الْكُفَّارِ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا حِلْلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَا يَحْسِنُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا
أَنَّمَا نُمِلِّى لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنفُسِهِمْ طِلْلَهُمْ لِيَزِدُّا دُوَّا إِثْمًا حِلْلَهُمْ عَذَابٌ

مُهِمِّینَ ۝

”(اے پیغمبرؐ) جو لوگ آج کفر کی راہ میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں آزدہ نہ کریں۔ یہ اللہ کا کچھ نہ بگاؤ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بننے ہوئے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ یہ ڈھیل جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں ان کو یہ کافرا پنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دیئے جا رہے ہیں کہ یہ خود بارگناہ سمیٹ لیں۔ پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔“ (۱۷۲:۳-۱۷۸)

سزا و جزا کے معاملے میں اس قدر احتیاط بر قی جاتی ہے کہ عام مشاہدہ ہے۔ کہ موت

کے وقت ہر انسان کی بظاہر حالت یوں ہوتی ہے جیسے کہ وہ کلی سکون میں ہو۔ حالانکہ قرآن شاہد ہے کہ کئی لوگوں کی جب روح بعض کی جاتی ہے تو وہ شدید کرب، اذیت میں بٹلا ہوتے ہیں ملاحظہ ہوا رشداباری تعالیٰ:

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ذَلِكَ بِإِنْهُمْ أَبْعَدُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَخْبَطَ أَعْمَالَهُمْ

”پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی رو میں قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے؟ یہ اسی لیے تو ہو گا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کو نار ارض کرنے والا ہے۔ اور اس کی رضا کار استہ اختیار کرنا پسند نہ کیا۔ اسی بنا پر اس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیے۔“ (۲۷:۲۸)

جیسے کہ آزمائش و ابتلاء کا تقاضا ہے نہ صرف یہ کہ مہلت کے دوران سزا و جزا کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ پس پرده حقیقت کو واشگاف ہونے نہیں دیا جاتا۔ ورنہ ظاہر ہے آزمائش کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

هَلْ يُنْظَرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي طَلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلِائِكَةُ وَقُضَى

الْأَمْرُ طَوَّالِي اللَّهُ تُرْجَعُ الْمُؤْرُه

”(ان ساری نصیحتوں اور ہدایتوں کے باوجود بھی اگر لوگ سیدھے نہ ہوں تو) کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کا چتر لگائے، فرشتوں کے پرے ساتھ لیے خود سامنے آموجود ہو اور فیصلہ ہی کردارا جائے۔ آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں“ (۲۱:۲)

سزا و جزا کے اظہار کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ بطور امت کسی قوم پر غصب و عذاب کا اظہار بھی نہ ہو۔ تاریخ انسانی میں بارہا قوموں پر تباہی و بر بادی مسلط کی گئی کئی امتوں سے امامت چھینی بھی گئی اور کئی دوسری قوموں کو عطا بھی کی گئی لیکن ایسے نشیب و فراز

صرف تھوڑے عرصے کے لیے باعثِ عزتِ ثابت ہوئے بالآخر قومیں اور امتیں روزمرہ کے معمول کے مطابق بیکتی ہی رہیں اور تکنذیب و افتراض کی مرتبک ہوتی ہی رہیں ملاحظہ ہو قرآن:

وَإِنْ يُكَلِّبُوكَ فَقَدْ كَلَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُوحٌ وَعَادٌ وَثَمُودٌ وَقَوْمٌ إِبْرَاهِيمَ
وَقَوْمٌ لُوطٌ وَأَصْحَبُ مَدْيَنَ حَوْلَ كَذِبَ مُوسَى فَامْلَأْتُ لِلْكُفَّارِينَ ثُمَّ أَخْلَدْتُهُمْ حَتَّى
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ فَكَانُوا مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهَيَّا حَاوِيَةً عَلَى عَرُوشَهَا
وَبِئْرٌ مَعَطَلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ

”(اے نبی) اگر وہ تمہیں جھلاتے ہیں تو ان سے پہلے قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط اور اہلی مدین بھی جھلا چکے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام بھی جھلاتے جا چکے ہیں۔ ان سب منکر میں حق کو پہلے میں نے مہلت دی پھر پکڑ لیا۔ اب دیکھ لو میری عقوبت کیسی تھی۔ کتنی ہی خطا کار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنے چھتوں پر اٹھی پڑی ہیں۔ کتنے ہی کنوئیں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈ رہنے ہوئے ہیں۔“ (۲۲:۲۲-۳۵)

اب ظاہر ہے کہ یہ انتخاب و ارادہ، ابتلاء و آزمائش اور سزا و جزا کا نظام صرف اسی صورت میں معنی خیز ہو سکتا ہے جب انسان کو یہ اطلاع عمل جائے کہ اس کا رب کیا چاہتا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، اس دنیا میں اسے بھیجنے کیا مقصد ہے؟ اس کا آغاز کیسے ہوا اور اس کی انتہاء کیا ہے؟ کون سے کام اچھے ہیں اور کون سے بُرے؟ اچھے کام کرنے والا اسے جنت و دوزخ کے احوال سے آگاہ کرے۔ اور کوئی باخبر اسے بتا دے کہ اس دنیا کا قیام عارضی ہے اور آخرت کا قیام دائمی۔ پھر چونکہ روزِ میشر کا حساب کتاب ہر انسان کے لیے یکساں نوعیت کا ہو گا لہذا سب سے پہلے پیدا ہونے والے انسان کا ان تمام باتوں کو جانتا ہی ضروری ہے جتنا کہ بعد میں آنے والے کسی انسان کا۔ ڈارون کے نظریہ ارقاء جیسی صورت نہ ہو کہ پہلے انسان تو حیوان کے مقام پر ہوں اور بڑھتے بڑھتے یا ترقی کرتے ہوئے آسمان پر کنندیں ڈالنے والے بن جائیں بلکہ حقیقت کے اعتبار سے ایک درجے میں ہوں۔ ان میں سے کسی کے پاس یہ عذر نہ ہو کہ اسے تو کسی نے ان حقائق سے

آگاہ ہی نہیں کیا۔

اب کسی انسان کو اس حقیقی نظام کا علم تین ہی وجوہات کی بنا پر پہنچنے سے قاصر رہ سکتا ہے۔ اولاً یہ کہ ایسا پہنچانے کا سرے سے کوئی نظام ہی نہ ہو جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے ایسا نظام تو اپنی بہترین حالت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام کر رکھا ہے کہ حقیقت کا علم ہر انسان کو خواہ وہ وقت کے کسی موڑ پر پیدا ہوا ہو، پہنچے۔ ثانیاً ایسا علم کسی انسان کو اس بنا پر پہنچنے سے رہ سکتا ہے کہ پہنچانے والوں نے تو پوری سعی اور جدوجہد کی ہو لیکن پھر بھی کوئی انسان ایسی جگہ یا مقام پر ہو کہ اس تک پیغام نہ پہنچ سکے۔ ظاہر ہے اگر پہنچانے والوں سے کوتاہی ہو جائے تو وہ جو پیغام نہ پہنچنے کی بنا پر فتن و فنور کے مرتكب ہوں گے ان کے گناہوں میں یہ نہ پہنچانے والے بھی شامل ہوں گے اور کسی وجہ سے باوجود دو کوشش کے کوئی انسان اس پیغام سے رہ جائے تو اس کے عذاب میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ہوگی ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں آتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

”اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے

کے لیے) ایک پیغام بر نہ پھیج دیں“۔ (۱۵:۱)

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا أَهْلَكَنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۝ ذُكْرُى قُفْ وَمَا كُنَّا ظَلِيلِينَ ۝

”(دیکھو) ہم نے کبھی کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ اس کے لیے خبردار

کرنے والے، حقیقت ادا کرنے کو موجود تھے اور ہم ظالم نہ تھے۔“ (۲۰۸:۲۶-۲۰۹)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغام پہنچانے کا وہ کون ساطریقہ اختیار کر رکھا

ہے، پیغام پہنچانے والے کون ہیں، کن کو پیغام پہنچایا جاتا ہے اور اگر اس پیغام پہنچانے میں کوتاہی رہ جائے تو اس کا وہ بال کس کے سر ہے؟ قرآن کریم کی درج ذیل آیت اس نظام پر بڑی خوبصورتی اور بھرپور انداز سے روشنی ڈالتی ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيًّا مُّبَشِّرًا وَمُنذِّرًا وَأَنْزَلَ
عَنْهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحُكِّمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ طَوْبَةٌ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا
الَّذِينَ أُوتُواهُ مِنْهُ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ حَفَّهُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا
اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ طَوْبَةٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يَسْأَءُ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ

”ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ تعالیٰ نے نبی پیغمبر جو راست روپی پر بشارت دینے والے اور کجر وی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتابِ حق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فصلہ کرے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا۔ نہیں) اختلافات ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے روشن ہدایات پالیں کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کا راستہ دکھادیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے حق دکھاد دیتا ہے۔“ (۲۱۳:۲)

اس آیت اور بعض دوسری آیات سے مندرجہ ذیل حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔ اس دنیا میں پہلے شخص کی زندگی کا آغاز ڈاروں کے نظریہ ارتقاء کے مطابق تاریکی میں نہیں بلکہ روشنی میں ہوا۔ قرآنِ کریم میں کئی دوسرے مقامات پر ذکر آتا ہے۔ کہ پہلا انسان خود نبی تھا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک لوگ ایک ہی امت رہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اختلافات رونما ہوتے گئے۔ یہ اختلافات اس لیے رونما ہیں ہوتے تھے کہ لوگوں نک حق نہیں پہنچتا تھا، بلکہ حق پہنچنے کے بعد شیطانی چکروں میں پڑ کر اور نفسانی ترغیبات سے مات کھاتے ہوئے وہ را و راست سے بھک جاتے، لہذا جو نبی تازہ ہدایات کی ضرورت ہوتی اللہ تعالیٰ پھر ایک نبی یا رسول

مبعوث فرمادیتا۔ بعض اوقات ایک ہی وقت میں ایک مقام پر یا مختلف مقامات پر ایک سے زیادہ پیغمبر بھی بھیجے۔ پھر جب ضرورت محسوس کی بعض پیغمبروں کے ساتھ الہامی کتابیں بھی بھیجیں۔ انہوں کا ہدایت پانے کے بعد بار بار یوں بھکنا اور اللہ تعالیٰ کا وقوف و قفوں و قفوں پر پیغمبر بھیجنے کا یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ قیامت سے پہلے آخری رسول گوئی کر سلسلہ رسالت منقطع کر دیا۔

ظاہر ہے آخری رسول گی آمد و رفت کے بعد اور قیامت سے پہلے کئی انسانی نسلوں کو ابھی معرض وجود میں آنا تھا لہذا ان لوگوں تک ہدایات کو پہنچانے کے مقابل طریقے کی ضرورت تھی جو برآور راست ایسے گھر انوں میں جنم نہ لے سکیں جو پہلے سے مسلمان ہوں۔ لہذا سلسلہ نبوت ختم کرتے وقت طے کر دیا گیا کہ آج سے غیر مسلموں کو ہدایات ان لوگوں کے ذریعے پہنچانی ہوں گی جو خود مسلمان ہوں۔ یعنی اس دنیا کے ایک موڑ پر کھینچ کر خط کھینچ دیا گیا کہ آج سے ”شهادت حق“، کا جو فرض پیغمبروں کے ذمے تھا، آج کے بعد یہ فریضہ اپنے وقت کی موجودات مسلمہ کا ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں رسالت و ابلاغ کی تین کڑیاں ہوتیں جن پر مختصر ارشنی ڈالی جاتی ہے۔

رسالت و ابلاغ کی تین کڑیاں

رسالت و ابلاغ کی تین کڑیوں کا ذکر ہمیں ایک ہی رکوع یعنی سورہ حج کے آخری رکوع میں ملتا ہے۔ پہلی دو کڑیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اللَّهُ يَصْطَفِّي مِنَ الْمُلَائِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ طَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بِصَرِّيهِ

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے فرماں کی ترسیل کے لیے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رسال منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی وہ سمیع و بصیر ہے“ (۲۵:۲۲)

انسانوں میں سے ان چیزہ اور برگزیدہ ہستیوں کو تو اکثر نبی اور رسول کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے جو حاملِ وحی تھیں۔ حضرت جبرايل علیہ السلام کو بھی جو وحی کو پیغمبروں تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے رہے۔ قرآن کریم میں بعض مقامات پر رسول کے لقب کے ساتھ ہی

ملقب کیا گیا۔ چنانچہ مریم علیہ السلام کو جب ایک لخت جگر کے پیدا ہونے کی نویدی گئی تو فرشتے نے خود کو اللہ کا رسول کہا۔ ملاحظہ ہو:

وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرِيمَ إِذْ اتَّبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرُقِيًّا هَاتَخَدَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا قَفْ فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَقَمَلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا هَالَّتْ إِنَّى أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا هَقَالَ إِنَّمَا آنَا رَسُولُ رَبِّكِ لَا هَبَ لَكِ غُلَمًا زَكِيًّا

”اور اے محمدؐ اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پرده ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا مریم بیکا یک بول اٹھی ”کہ اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں“ اس نے کہا میں تو تیرے رب کی طرف سے رسول ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکے کی بشارت دوں۔۔۔۔۔ (۱۹:۱۹)

پیغام رسانی کی ان دو کڑیوں کے ذکر کے بعد تیسری کڑی کا ذکر اسی روکوں کی آخری آیت میں کیا موسیٰ میں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَجَاهِلُوا فِي اللَّهِ حَقًّا جِهادِهِ طَهُو اجْتَبَّكُمْ لِيَكُونُ الرَّسُولُ

شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ.

”اللہ کی راہ میں چہاد کرو جیسا کہ چہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے..... تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ.....“

چنانچہ اور پیغام رسانی کی یہ ہے وہ ذمہ داری جونہ کسی پہلے پیغمبر کی امت کو سوچنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی سونپی گئی لیکن یہ سعادت و ذمہ داری کائنات کی زندگی کے اس موڑ پر پہنچ کر جس پر پیغام رسانی کی پہلی دونوں کڑیوں کو ختم کر دیا گیا آخری رسولؐ کی امت کوتا قیامت سونپی

گئی اور چونکہ وحی کو اس کے مخزن سے لانے کی دونوں کریمیں ختم کر دی گئیں لہذا دین کو ہی مکمل کر دیا گیا تا کہ مخزن سے مزید وحی لانے کی ضرورت ہی نہ رہے ملاحظہ ہوا رشاد باری تعالیٰ:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتُ لَكُمْ
الإِسْلَامَ دِينًا طَفَقَ مِنْ أَضْطَرَ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَاهِنِ لِلْأَئِمَّةِ لَا فِي اللَّهِ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی
ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔۔۔“ (۳:۵)

قرآن کریم میں جس جگہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بہ حیثیت جمیع
آگے لانے کا معاون مقصد بیان کیا گیا ہے وہیں شہادت حق اور پیغام رسانی کے اس فریضے کا کھول
کر ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطَا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونُ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

”اور اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک ”امت وسط“ بنایا ہے۔ تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ
ہو اور رسول تم پر گواہ۔۔۔“ (۱۲۳:۲)

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجْتُ لِلنَّاسِ تَائِمُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان
میں لا یا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔۔۔“ (۱۱۰:۳)
ایک جگہ پوری امت میں سے ایسے چیزیں گروہ جس کے پاس قوت بھی ہو یعنی خلافت کا
مقصد اولیں بھی بھی دعوت و تسلیخ اور انداز اقرار دیا۔ فرمایا:

وَلَسْكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

”تم میں سے کچھ لوگ توابیے ضروری رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہ فلاح پائیں گے۔“ (۱۰۲:۳)

ان آیات کی رو سے مسلمانوں پر شہادت حق کی ذمہ داری اُسی طرح فرض ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ذمہ داری انفرادی حیثیت میں امت پر قائم کرنے کی تھی ”رسول تم پر گواہ اور تم لوگوں پر گواہ“ سے بالکل عیاں ہے کہ شہادت علی الناس کا جو فرض حضور علیہ السلام پر بحیثیت رسول کے تھا آپ کے بعد آپ کی امت کی طرف منتقل ہوا اور اب رہتی دنیا تک اس امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور، ہر ملک اور ہر زبان میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دے۔ اگر وہ اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو ان لوگوں کی گمراہیوں میں شامل ہوگی جن پر یہ شہادت قائم نہ کر سکی۔

چند ایک مفسرین نے اس شہادت کو عام طور پر آخرت کے متعلق مانا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ امت آخرت میں انہیاء کی تاکید میں گمراہوں کے خلاف شہادت دے گی کہ باری تعالیٰ ان گمراہوں نے باوجود اس کے کہ ان پیغمبروں نے اللہ کا دین ان تک پہنچا دیا، گمراہی کی روشن اختیار کی۔ ہمارے نزدیک یہ تفسیر قرین قیاس نہیں جلیل القدر پیغمبروں کی گواہی کی تصدیق کے لیے ایک امت کو لاکھڑا کرنا ویسے بھی نہیں چتا۔ اس میں کوئی تک نہیں کہ یہ آخری امت قیامت کو بھی گواہ بن کر اٹھے گی لیکن یہ شہادت اس ضمن میں ہوگی جس طرح ہر پیغمبر اپنی اپنی امت پر یہ گواہی دینے کے لیے اٹھے گا۔ کہ اس نے پیغام وہی ان تک تھیک تھیک پہنچا دیا دراصل پیغام رسانی کی یہ ذمہ داری و سعادت جو اس امت کے لیے خاص ہے اسے گواہی کے منصب پر کھڑا کرے گی۔ اور وہ بھی ان ہی لوگوں پر جن پر اپنے اپنے وقت میں اسے پیغام پہنچانا چاہیے تھا۔ بالفاظ دیگر جس طرح ہر پیغمبر اپنی اپنی امت جس پر شہادت حق قائم کرنا اس کا فرض تھا، گواہ بن کر اٹھے گا اسی طرح

یہ شہادتِ حق کی ذمہ دار امت اپنے اپنے وقت کے غیر مسلموں پر گواہ بن کر اٹھے گی۔ یہ بتانے کے لیے کہ اس نے شہادتِ حق کا فرضیہ ادا کیا یا نہیں۔ یہیں سے اس بات کا تجویز کرنا ضروری ہو گیا کہ فرضیہ شہادتِ حق کیا ہے جو اس امت پر ڈالا گیا۔ نیز یہ اسے کس حد تک پورا کر رہی ہے اور اگر نہیں کر رہی تو اسے کس انعام سے دوچار ہونا لازمی ہونا ہو گا؟

فرضیہ شہادتِ حق

جیسا کہ ہم پہلے ذکر آئے ہیں آخرت کی جوابدی کے لیے ضروری ہے کہ ہر انسان جان لے کہ اس کا رب کیا چاہتا ہے؟ کیونکہ اگر کسی کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے خالق کی مرضی کیا ہے تو اُس سے کیسے پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف کیوں چلا؟ کچھ روی پر مو اخذہ کیسے ہو سکتا ہے جب راہ راست کا شعور ہی نہ ہو کچھ روی اور راست روی کی تمیز تباہی ممکن ہو سکتی ہے جب اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں شہادتِ حق کا فرضیہ اتنا ہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے جو بانہ میں اور جزا اوسرا کا قانون وضع کر رکھا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ شہادتِ حق کے بارے میں اتمامِ جبّت قائم ہوئی یا نہیں۔ اس فرض کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے پیغمبروں نے مصائب و مشکلات برداشت کیں۔ گرماہ انسانوں نے ان پر طعن و شنیع کی حد کر دی۔ ان کا بایکاٹ کیا گیا۔ جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کیا گیا۔ آگ کے الاؤ میں ڈالا گیا۔ ان کی مشکلیں کسی گئیں۔ وہ پھانسی پر لٹکائے گئے۔ پرانے دلیں میں بھی ان کو جھین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ صبح و شام ان کے ساتھی گا جرمولی کی طرح شہید کیے گئے، پوری پوری زندگیاں انہیں لکار پکار کی زد میں رکھا گیا، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی پکارا ٹھے، مولا کہاں ہے تیری وہ مدد جس کا تو نے وعدہ ان لوگوں سے کر رکھا ہے جو تیری راہ میں تن من دھن کی بازی لگادیں؟ ملاحظہ ہو قرآن:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثُلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط

مَسْتَهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَرَأَلُوْا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ امْتُوا مَعَهُ مَتَّىٰ نَصْرُ
اللَّهُ طَالَّا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ

”پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ ہمیں مل جائے گا حالانکہ تم پر
وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں،
مصیبتیں آئیں، ہلامارے گئے حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیز اٹھے کہ اللہ کی
مدودکب آئے گی؟ اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔“ (۲۱۳:۲)

اللہ کے پیغمبروں کو تو کسی نہ کسی درجہ پس پرده حقیقت کا مشاہدہ کرایا ہوتا ہے۔ لہذا وہ
جیتے جی کب گوارا کر سکتے ہیں کہ جو انسان بتاہی و بربادی کی طرف بڑھ رہے ہیں انہیں بڑھنے دیا
جائے؟ ان کی بہبود کو مدینہ نظر رکھتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر ساز ہے نو سو
سال تک تنگ و دوکرتے رہے جیسے ماں اپنے بچوں کو ترغیبات دے دے کر ہدایت کی طرف لاتی
ہے۔ نوح علیہ السلام متّوں اور واسطوں کی زبان میں اپنی قوم کو راہ راست کی طرف لاتے رہے
لیکن جو برتاب و قوم سے انہیں ملائماً لاحظہ ہو قرآن کریم کی زبان میں:

قَالَ رَبِّي إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا هَفَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءً إِلَّا
فِرَارًا هَوَ إِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِغَفْرَانَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا
ثِيَابَهُمْ وَأَصْرُوْا وَاسْتَكْبِرُوا اسْتَكْبَارًا هُمْ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا هُنْمَ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ
وَاسْرَرْتُ لَهُمْ اسْرَارًا هَفَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبِّكُمْ طَإِنَّهُ كَانَ غَفَارًا هُنْرِسِلِ السَّمَاءَ
عَلَيْكُمْ مِدَارًا هَوَيْمِدِدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ
النَّهَرَاتِ مَالَكُمْ لَا تَرْجُونَ اللَّهَ وَقَارَاه

”اس نے (نوع) عرض کیا، اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا اگر
میری پکارنے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا اور جب بھی میں نے ان کو بلا یا تاکہ تو انہیں معاف

کر دے انہوں نے کانوں میں الگیاں ٹھوں دیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانپ لیا اور اپنی روشن پراڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ میں نے انہیں ہائکے پکارے دعوت دی، پھر میں نے اعلانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چمکے چمکے بھی سمجھایا، میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسان سے خوب باشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔ تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کرے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی تو قع نہیں رکھتے؟“ (۱۷: ۶-۱۳)

اس پوری کشمکش کے نتیجے میں صرف چند نقوص، جو ایک کشتی میں سما گئے ہدایت یا ب ہوئے لیکن ناکام ہوئی تو نوح علیہ السلام کی قوم خود نوح علیہ السلام کا میاب ترقرار دیئے گئے۔ صرف اس لیے کہ انہوں نے تو رسالت دا بلاغ کا حق ادا کر دیا۔ پیغمبروں میں سے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس بارے میں قدرے پُوك ہو گئی ہے اور اگرفت میں آگئے۔ معافی ہوئی تو گرو گڑا کر معافی مانگنے سے، ملاحظہ ہو قرآن کریم:

وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنَّ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلْمِ
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ لَا وَجَيْنَةَ مِنَ
الْفَمِ طَ وَكَذَلِكَ نُنْهِي الْمُؤْمِنِينَ ۝

”اور مجھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یاد کرو جب کہ وہ بگزر کر چلا گیا تھا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ آخر کو اس نے تاریکیوں سے پکارا نہیں ہے کوئی خدا مگر تو، پاک ہے تیری ذات بے شک میں نے قصور کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچالیا کرتے ہیں۔“ (۲۱: ۸۷-۸۸)

لوگوں کو رہا ہدایت کی طرف لانے کی فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شدت سے بے قرار و بے چین رکھتی تھی کہ باوجود اپنی پوری قوتیں اس کام میں کھانے کے آپ اس قدر متفکر رہتے تھے کہ بارہ اللہ تعالیٰ کو خود کہنا پڑتا تھا کہ پیغمبر، آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ آپ، کیوں

اتی جان گھول رہے ہیں؟ ملاحظہ ہو قرآن:

لَعْلَكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَا يُكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝

”اے محمد، شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دے گے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے

(۳:۲۶)

... وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۝

”رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچادے“

(۵۳:۲۳)

ان تسلیوں اور تلقینوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گدازو جاں گسل کیفیت میں شب دروز نزار نادرتی امر تھا کیونکہ ان کو فریضہ شہادت ایک چیز کے طور پر سونپا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو قرآن کے الفاظ:

يَا أَيُّهَا الْمُذَكَّرُ ۝ قُمْ فَانْذِرْ ۝ وَرَبِّكَ فَكَبِرْ ۝

”اے اوڑھ لپیٹ کر لیتھے والے، اٹھئے اور خبردار کیجھے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجھے۔“ (۳:۷۲)

نہ صرف یہ بلکہ آپ کو متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اگر آپ اس فرض کو پورا کرنے میں کوتاہی کے مرتكب ہوئے تو گویا آپ نے گواہی کا حق ہی ادا نہ کیا۔ ملاحظہ ہو قرآن:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ ۝

رَسَالَةُ طَ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ طَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكُفَّارِ ۝

”اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا، وہ لوگوں تک پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ہی ادا نہ کیا، اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلے میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا،“ (۶۷:۵)

اس فرض سے سبد و شو شونے کا پیغمبر آخر الزماں علیہ السلام کو اتنا فکر تھا کہ جیتے الوداع

کے موقع پر پہلی فرصت میں موجود امتنیوں کو پکار کر کہا کہ قیامت کے دن ہر پیغمبر سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نے اللہ کے دین کو اپنی اپنی امت تک پہنچا دیا، اسی طرح آپ سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا لہذا بتائیے کہ کیا میں نے رسالت کا حق ادا کر دیا؟ جب چاروں طرف سے جواب ملا کہ اے اللہ کے رسول آپ نے بہترین طور پر پہنچانے کا حق ادا کر دیا تو چھرے مبارک کو تین بار اوپر پیچے کرتے ہوئے اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا“، لیکن ساتھ ہی اس عظیم فریضے کو امت کی طرف منتقل کرتے ہوئے فرمایا کہ پہنچاتے رہو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، یعنی امت کو یاددا دیا کہ پیغمبری کا سلسلہ تو ختم ہونے والا ہے۔ لہذا میرے جانے کے بعد سے اس فریضے کی انجام دہی تمہاری ہوگی، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ قولی طور پر بھی اور فعلی طور پر بھی۔ فعلی طور پر شہادت قائم کرنے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے یہ جان لجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں تک قوانین ہدایت صرف کتابی شکل میں سمجھنے پر ہی اکتفانہ کیا بلکہ ساتھ پیغمبر صرف اسی لیے سمجھے کہ وہ ان قوانین پر عمل کر کے بھی دکھادیں تاکہ کسی کو کل یہ اعتراض کرنے کا موقع نہ رہے کہ دینے گئے قوانین تو تھے ہی ناقابلِ عمل نیز اسی مصلحت کے تحت پیغمبر انسانوں ہی سے منتخب فرمائے۔

شہادتِ حق اور مسلمان

اس وقت دنیا کی آبادی الگ بھگ کوئی پانچ بلین نفوس پر مشتمل ہے جن میں سے تقریباً سوا بلین مسلمان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کی صرف ایک چوتھائی آبادی ایسی ہے جو ایسے گھرانوں میں رستی بستی ہے جن میں کسی نہ کسی رنگ میں الہامی نظام کی سُوٹو ہے۔ وہ خود نہیں تو ان کے قرب و جوار میں قرآن حکیم پڑھا جاتا ہے۔ نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اذانیں کہی جاتی ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کہا جاتا ہے، روزے رکھے جاتے ہیں، فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے۔ پیدا ہونے پر بچے کے کانوں میں اذان کہی جاتی ہے اور مرنے کے بعد جنازے کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ انہیں اٹھتے بیٹھتے کہیں نہ کہیں سے سزاوجزا، محشر، قیامت، دوزخ، جہت وغیرہ کی بازگشت سنی

جاتی ہے۔ اگر ان میں سے کچھ اسلامی احکامات کی پوری طرح پابندی نہیں کر رہے تو یہ ان کا اور ان کے رب کا معاملہ ہے، لیکن ان پر حقیقت ضرور منکشف ہو چکی ہے، اور نہیں تو جنت بہر حال قائم ہو چکی ہے۔ اس کے عکس تین چوتھائی یعنی مذکورہ قسم سے تین گنا آبادی ایسی ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔ ٹھیک ہے اس آبادی میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو قرآن ”اہل کتاب“ سے موسوم کرتا ہے اور ان کے ہاں الہامی نظام کی کوئی نہ کوئی بگڑی ہوئی شکل موجود ہے لیکن ان کی فلاح و کامیابی کا دار و مدار بھی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آخری رسول پر ایمان لانے سے ہی ممکن ہے۔ پھر اہل کتاب کے علاوہ کروڑوں انسان ایسے ہیں جو الہامی نظام سے کلیئہ نا آشنا ہیں۔ وہ بھی انسان ہیں۔ آل آدم کے رکن ہیں، قیامت کے دن ان کی بھی فرد افراد جو ابد ہی اسی طرح ہونی ہے جس طرح مسلمانوں کی، لیکن ظاہر ہے مسلمان تو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے فائدے میں رہے لیکن غیر مسلم ہیں کہ بغیر کسی اپنے گناہ کے محض اتفاقی پیدائش کی وجہ سے اس فائدے سے محروم رہے۔ آج کا محمد دین اور عبدالرحمن بھی تو کسی ہندو یا چینی گھرانے میں پیدا ہو کر رام چندا اور یوہا نگ ہو سکتا تھا اور اسی طرح سے اس کے والث۔ پھر کیوں ایسا ہو کہ محض پیدائش کی وجہ سے کچھ لوگ تو دوزخ کے مستحق قرار پائیں اور کچھ دوسرے جنت کے۔ اگر عدل و انصاف نا ی کچھ اوصاف ہیں تو کم یہ تو ضرور ہو کہ کوئی نظام ایسا موجود ہو جو اس بات کی صفائت دے کہ الہامی نظام کا فلسفہ خدائے بزرگ و برتر کی رضا، گناہ و نیکی کی تشخیص، غرض انسان، کائنات اور اللہ کے تعلق کا حقیقی علم ان تمام انسانوں تک بھی پہنچ جو اتفاقیہ غیر مسلم گھرانوں میں پیدا ہو گئے ہوں۔ دعوت الی اللہ اگر پہنچ جائے اور وہ خود اس طرف مائل نہ ہوں تو یہ علیحدہ بات ہے۔ ان کا معاملہ وہ جانیں اور ان کا رب لیکن اگر ان تک حقیقت کا شعور پہنچتا ہی نہیں تو لا حالت ان کو اس درجے کا مجرم نہیں گر دانا جاسکتا جس درجے کے کہ وہ ہو سکتے ہیں جن تک پیغام تو پہنچ گیا لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے یا اپنے ارادہ و انتخاب کی الہیت کی بنا پر اپنے سابقہ نظام (بلکہ بد نظمی) پر مطمئن رہے۔ گو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایسے لوگ جن تک پیغام نہیں پہنچ سکا

کلیہ تو نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ انہیں ارادہ و انتخاب اور عقل و شعور کی جگہ تو تیں اور اہلیتیں دی گئی تھیں ان سے کام لیتے ہوئے ان کا بھی فرض تھا کہ وہ اندھے بہرے چوپاپیوں کی طرح اس زندگی کے دن نہ گزار جاتے لیکن باسی ہمہ مجبت تو بہر حال ان پر قائم نہیں ہو سکی اور اس بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں غذر تو ضرور پیش کریں گے۔ دوسری طرف جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ نظام ضرور برپا کر رکھا ہے جس میں اگر کوتاہی نہ ہو تو ہر غیر مسلم تک دعوت الی اللہ کا پہنچنا ممکن ہے۔ ٹھیک ہے پہلے یہ فریضہ پیغمبروں کے ذمے ہوتا تھا لیکن آخری پیغمبر علیہ السلام کے دور کے بعد سے یہ فریضہ شریعت مطہرہ کی رو سے تاقیامت اپنے اپنے وقت کے مسلمانوں کو منتقل ہوتا رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں آج کے مسلمانوں پر یہ ”حق عظیم“ ہے جو کہ انہیں ادا کرنا چاہیے اور اگر مسلمان یہ حق ادا کرنے سے قادر رہتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ یہ غیر مسلموں کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں خود شامل ہو جاتے ہیں بلکہ جتنی عدم اتمام مجبت کی بنا پر غیر مسلموں کو قیامت کے دن رعایت طے کی اتی ہی متخلقه وقت کے مسلمانوں کی گرفت شدید تر ہوگی۔ اگر اس معاملہ میں ایک پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام سے قدرے چوک ہو گئی تو وہ گرفت سے نفع سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اس سے محض اپنی خوش فہمیوں کی وجہ سے نفع جائیں۔ پھر آپ خود ہی انصاف کریں کہ اگر ایک آدمی بہ حوش و حواس ایک بچے کو آگ کے الاہ کی طرف لپکتے دیکھتا ہے لیکن اسے آگے بڑھ کر بچاتا نہیں بلکہ نظارہ بینی سے محض لطف اندوز ہوتا ہے تو کیا ایسا انسان انسانیت کی کوئی ادنیٰ رقم کا حال ٹھرا یا جا سکتا ہے؟ کیا کوئی نظامِ عدل موجود ہو تو اسے شدید ترین سزا کا مستحق نہیں ظہراۓ گا؟ اسی سلسلہ میں درج ذیل مثال قابل غور ہے۔

کنوئیں کے مالک نے ملازم کوتا کیا کردی کہ دیکھو یہ لورس اور یہ لوزوں اس وادی کا کوئی شخص پیاسا نہ رہ جائے۔ مشکیزہ اٹھانا اور ہر تشنہ لب تک خود پہنچنا، ایسا کرو گے تو انعام پاؤ گے۔ ایمانہ کر سکے تو تجھے سزا سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اب کیا ہو گا معاملہ ایسے ملازم کا جس کے سامنے تشنہ لب جان جان آفرین کے سپرد کر رہے ہوں اور اُس سے مس نہ ہو، اسے فخر تو ہو کہ وہ بے آب و

گیاہ وادی میں کنوئیں تک کا حامل ہے۔ بڑھکیں تو مارے کہ رسہ بھی اس کے پاس ہے اور ڈول بھی لیکن ہوا تنا خالم کہ خود پانی لے کر پیاسوں تک پہنچتا تو درکنار، کنوئیں پر تھکے ماندے تشنیل پہنچنے والوں کو رے اور ڈول سے محروم رکھ کر منے دے۔ کیا ایسا ملازم کسی ذرا سی ہمدردی اور نرمی کا مستحق ہوگا؟ مالک کے سامنے تو وہ ہزاروں پیاسے اس خالم کا دامن پکڑ کر زبان حال سے آہ و بکار کریں گے کہ اس ملازم کو تخت ترین سزا سے نواز اجائے۔ ظاہر ہے پھر مالک ایسے نافرمان و ناخجارت سے کیا سلوک کرے گا؟

قرآن حکیم ڈنکے کی چوت پر مطلع کرتا ہے کہ مسلمانو! تمہارے رب نے تم کو پہلی امتوں سے مختلف بنایا ہے یعنی تم کو زکالا ہی لوگوں کے لیے گیا ہے کہ تم ان تک الہامی نظام کی پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرو۔ پیغمبروں کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد کوئی انسان ایسا نہ رہ جائے جو کل قیامت میں میرے حضور یہ شکوہ کرے کہ اس کے کانوں تک تو ایسے نظامِ عدل و قسط کی بھنک تک نہیں پہنچ پائی۔ اے آخری پیغمبر علیہ السلام کے پیروکارو! تمہارا مقصد وجود ہی یہ ہے کہ تم شہادت حق کا فریضہ ادا کرو۔ میرے وہ بندے جو براہ راست مسلمان گھرانوں میں پیدا نہیں ہو سکے ان کو دعوت الی الحق دو، انہیں الہامی نظام سے روشناس کرو، ابلاغ کی تیسری کرٹی تم ہو، اس کرٹی کا حق ادا کرو جس طرح پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری کی سعادت کے ساتھ ساتھ رسالت کی بھاری ذمہ داری کا حامل بھی بنایا، ٹھیک اسی طرح تم کو امت وسط تو بنا یا گیا، خیر امت سے تو نواز آ گیا لیکن اس سعادت کے ساتھ ساتھ ابلاغ کی بھاری ذمہ داری کو ادا کرو، بلا و لوگوں کو حق کی طرف، بتادو انہیں کہ ان کا رب کیا چاہتا ہے۔ یاد رکھو پیغمبروں نے اپنی پوری پوری زندگیاں اس ذمہ داری کے بھانے میں کھپا دیں، شب و روز ایک کر دیا، جانیں دے دیں لیکن اس فرض سے سرمو پیچھے نہ ہٹے مبادر کہ کہیں کہماں حق کے جرم کی زد میں آ جائیں۔

پیغمبروں کی طرح اس امت نے حق کو قول اور فعل دونوں ذرائع سے لوگوں تک پہنچانا تھا یعنی قولی شہادت بھی قائم کرنی تھی اور فعلی بھی۔ قولی شہادت کا حق یہ تھا کہ ہم زبان سے، قلم سے،

ذرائع نشر و اشاعت سے اور دیگر وسائل ابلاغ سے دین حق کو دوسروں تک پہنچاتے، ایسے لشیں پیرائے میں بات کرتے، ایسی مدل تحریریں لکھتے کہ حق حق اور باطل باطل ہونے میں کوئی کسریاتی نہ رہ جاتی۔ دوسروں کی سنتے، ان کے دلائل کو پر کھتے، ان کی تنقید پر سرہ پختہ بلکہ ٹھنڈے دل سے اور شیریں بھرے انداز میں اس کا جواب دیتے۔ حق آخر حق ہے باطل کب تک اس کی تاب لاتا؟ ہمارے چھاپے خانے، ہمارے ریڈیو، ہمارے اخبار، ہماری انجمنیں، ہمارے ادارے غیر مسلموں کے سے نہ نہ ہوتے بلکہ ان کا کوئی مشن ہوتا، ان کا کوئی نشانہ ہوتا۔ ان کی کوئی منزل ہوتی، بحروف، کوہ و دم اور کائنات کا چپے چپے پکارا جھتا کہ ہاں کسی گواہی دینے والے نے گواہی دی ہے۔

فعلی اور عملی طور پر ہمارا کردار، ہمارا اخلاق، ہمارا ہن سہن، ہماری پارلیمنٹ، ہماری حکومت دوسروں کے لیے ہماری خیر خواہی اور ہمدردی کی ترپ زبان حال سے گواہی دیتی کہ جس نظام کو ہم اپنائے ہوئے ہیں اسی میں دنیا کی نجات ہے، وہی دنیا کے سکون کا باعث بن سکتا ہے، اسی میں ہر کس ونا کس کی آبرو محفوظ ہے، وہی عصمتِ نسوان کا نگہبان ہے، وہی نوجوانوں کی صحیح رہبری کر سکتا ہے، وہی والدین کو ان کا حق دلو سکتا ہے۔ اسی میں غریب کی فلاح ضمیر ہے۔ وہی تینیوں کی ڈھارس بندھا سکتا ہے اور وہی یہ واول کی دشگیری کر سکتا ہے۔ دنیا والوں کے لیے ہمارا ہر دائرہ کا اور طرزِ زندگی حوالے کی حیثیت رکھتا، ہماری خلافت سیاست کا ہماری عدالتیں عدالت کا، ہماری درسگاہیں سیادت کا، ہمارے دفاتر نظامت کا ہمارے کارخانے صنعت و تجارت کا ہمارے لٹرپچر صحافت کا اور ہمارا کردار صداقت کا نمونہ پیش کرتا۔ ایک عرصہ جب ہمارے ان شعبہ ہائے زندگی میں دنیا والوں کی رہنمائی کی تو دنیا کی امامت بھی ہمارے ہی ہاتھ میں تھی۔ تہذیب غالب تھی تو ہماری اور تمدن افضل و اعلیٰ تھا تو ہمارا۔ جن اصولوں کو ہم اپناتے تھے واقعات کی دنیا میں وہی حق تھا، ہم نے انفرادی طور پر ہی نہیں اجتماعی طور پر ایک اسلامی مملکت قائم کر کے دکھادیا کہ کس طرح دجلہ کے کنارے ایک بکری کے بچے تک کی نگہداشت کا حق ادا کیا جاتا ہے؟ کس طرح خلیفہ وقت کا دامن پکڑ کر پوچھا جاسکتا ہے کہ آپ کے اپنے حصے میں آنے والے کپڑے

سے تو آپ کا یہ چوغانہیں بن سکتا تھا آخر تو نے اسے بنانے کا کیسے بندوبست کر لیا؟ سپہ سالار افواج کو ایک ادنیٰ سپاہی کی ڈیوٹی دے دی جاتی اور ایک ادنیٰ سپاہی کو سپہ سالار بنادیا جاتا تو کہیں سے کسی تعجب و بریشمگی کا مظاہرہ دیکھنے میں نہ آتا۔ زکوٰۃ کی رقم ہاتھ میں لیے زکوٰۃ دینے والے، لینے والوں کو ڈھونڈتے پھرتے، لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی ملتا ہی نہ۔ خلیفہ وقت اپنے ہی الخٰد جگر کو کوڑے لگاتا ہوا دیکھا گیا کیوں کہ اس سے ایک اجتہادی لغوش ہو گئی تھی۔ گناہ کے مرتبہ لوگ خود حاضر ہو کر اپنے کئے کی سزا بھگتتے پر آماماً دہاد کروہ کل کو اللہ کی عدالت میں مجرم گردانیں جائیں۔ خلیفہ وقت اور اس کا ایک ادنیٰ غلام سفر کرتے وقت باری باری گھوڑے پر سوار ہوتے، حتیٰ کہ جب غیروں کے دلیں پہنچ تو استقبال کرنے والے حیران رہ گئے کہ گھوڑے پر سوار تو غلام اور پیدل چلنے والا غلیفہ اور غلیفہ بھی وہ کہ جس کی دھاک مغرب و مشرق میں مان لی جا چکی ہے۔ پھر کس طرح کسری اور ایران کے فرستادے آکر مخبری کرتے ہوئے پائے گئے کہ جن نقوش قدیسیہ سے ان کی افواج کو سامنا ہے وہ دن کے مردمیدان ہیں تورات کے سجدہ گزار۔ دن کو دوسروں کی گردانیں جھکانیں والے کیسے اپنی گردنوں کورات بھرا پنے خالق کے حضور جھکائے رکھتے ہیں؟ کس طرح وقت کے دہر کو اس لیے سبق سکھایا گیا کہ جب اسے شرپندوں کی سرکوبی کے لیے کہا گیا جنہوں نے چند راہ گیر خواتین پر پھیتیاں کی تھیں تو وہ طاقت کے نشے میں خاطر خواه جواب نہ دے پایا؟ وہ دعوت الی اللہ کا ارشنہیں تھا تو کیسے چند سالوں میں مسلمانوں کی حکومت مشرق سے مغرب تک ایک وسیع علاقے پر پھیل گئی؟ کیوں بارہا ایسا ہوا کہ جن علاقوں میں عساکرِ اسلامی نے پیش قدمی کی وہاں کے مکینوں نے مسلمانوں کو نجات دہندا سمجھ کر خود ان کا استقبال کیا؟ شہادت حق اور کیا ہے کہ ذمیوں نے بارہا اپنی عدالتوں کی بجائے انصاف حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کی عدالتوں کا رجوع کیا؟ کشتیاں جلا کر آگے بڑھنے والے کیوں کرفاتح نہ ہوتے جبکہ وہ جو تجھ لے کر آئے تھے اس پر آخری شہادت دینے پر پتل گئے؟ آخر دشمن بھی تو جنگ لڑتے تھے لیکن جاں بلب ہونے کے باوجود ان کو پانی کا پیالہ اپنے ساتھیوں کی پیاس بجھانے کے لیے کہاں گردش کرتا ہوا

نظر آیا؟ عین دورانِ جنگ کس نے بچوں، بوڑھوں، عورتوں بلکہ درختوں اور فضلوں تک کا خیال رکھا؟ غرض سیرت و کردار کی مثالیں قائم کیں تو کس نے اور ربِ کعبہ کی پڑائی کی شمعیں روشن کیں تو کس نے؟

دورِ حاضر کے مسلمان شہادتِ حق کے علمبردار یا شہادتِ زور کے مرتكب

آئیے ذرا الممِّ وسط اور خیرامتہ کے حامل آج کے مسلمانوں کے فریضہ شہادت کا بھی جائزہ لیں۔ کہیں انہوں نے بھی یہود و نصاریٰ کی طرح جن سے امامتِ عالم کا منصب چھین کر ان کے سپرد کیا گیا تھا منکر کو معروف اور معروف کو منکر تو نہیں کر لیا؟ اس معاملے میں سب سے پہلے سیاسی افق پر نظر دوڑا تیں۔ ہماری سیاست کا مرکزی ادارہ خلافت تھا، وہ کہاں ہے؟ کس سر زمین پر اسے ڈھونڈیں۔ ایران میں، عراق میں، مصر میں یا شام میں؟ آخر یہ علیحدہ علیحدہ ملکتیں کہاں سے آگئیں؟ خلافت اور غلبہ اسلام تو لازم و ملزم تھے۔ اس مرکزیت کو توڑنے والے کون ہیں؟ انتشار و افتراء فرقی کا دور دورہ کیوں ہے؟ یہ لگ بھگ پچاس سے اوپر علیحدہ علیحدہ مسلمان حکومتیں کس قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہیں؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنے والا قرآن تو ”وَاغْتَصُّمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کا درس دیتا ہے، پھر یہ بات تو دورستیوں میں رہنے والا بد و بھی جانتا ہے کہ طاقت اتحاد میں ہے اور کمزوری انتشار میں، ستم بالائے ستم یہ کہ جتنی اس وقت مسلمان ملکتیں ہیں، تقریباً اتنے ہی ان کے سیاسی کعبے ہیں۔ کسی ایک کامنہ مشرق کی طرف ہے تو دوسری کامغرب کی طرف۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی شعبدہ بازاپنے مفادات کی خاطر ان کو وہ بگئی کا ناج نچا تے ہیں کہ خدا پناہ! اس وقت دنیا میں جتنے بھی حساس خطے ہیں، جہاں کہیں جنگ ہو رہی ہے یا جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، وہ سب مسلمانوں کی سر زمینیں ہیں۔ فلسطین ہو یا افغانستان، عراق ہو یا ایران، شام ہو یا لبنان گھر لٹ رہا ہے تو مسلمانوں کا اور گت

بن رہی ہے تو اسلام کے نام لیواوں کی۔ حقیقت میں آج کی بڑی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو اپنی تجربہ گاپیں بنا رکھا ہے جہاں وہ اپنے نت نئے تیار کر دہ تو پ و فنگ کی کارکردگی کو آزماتے رہتے ہیں، ارزانی ہے تو خون مسلم کی اور ویرانی ہے تو خانہ مسلم کی!

سیاسی افتخار سے ہٹ کر ذرا منبر و محراب کے وارثین کی طرف دیکھیں تو مایوسی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کے ان حاملین پر شہادت علی الناس کی سب سے بھاری ذمہ داری عائد ہوتی تھی، انہوں نے ہی سیاست دانوں کی راہ میں حائل ہو کر ان کے رخ کو سیدھا رکھنا تھا لیکن یہاں کابا و آدم ہی نرالا لکلا۔ مساوئے چند ہستیوں کے جنہوں نے کچھ نہ کچھ راست روی کی تلقین کی بیشتر ایک دوسرے کے خلاف مجاز بنا بیٹھے، اداروں، مدرسوں اور خود ساختہ نظریات کی بنیاد پر گروہ بندی بلکہ جھقا بندی کے مرتبک ہوئے۔ آخر یہ شیعہ، یہ دیوبندی، یہ بریلوی، یہ الہمدادیت وغیرہ ہم کس قرآن سے مخذل ہیں۔ قرآن کریم جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے وہ تو دونوں کہتا ہے ”وَلَا تَفَرُّقُوا“ کیا یہ ارض و سما کے مالک کا آرڈینیٹس نہیں؟ کیا اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کفر تو نہیں ہے؟ انہوں نے تو متفق ہو کر ایک پلانگ کے تحت حکمت اور اچھی نصیحت سے اللہ کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا، لیکن ان کی صرف اتنی پرواز کہ ایک دوسرے کا ہی گریبان چاک کرنے میں لگ گئے؟ مجاز آرائی ہے تو اس مسجد کے خطیب کی محلہ ہی کی دوسری مسجد کے خطیب کے خلاف اور مورچہ بندی ہے تو نام نہاد ایک مکتبہ گلر کے مفتی کی دوسرے مکتبہ گلر کے مفتی کے خلاف۔ دنیا و ما فیہا سے بے خبر کہ اللہ کے کروڑوں انسان چشم براہ ہیں کہ ان تک اللہ کے دین کی بات پہنچے۔ اپنے پڑوی مسلمان ہی کو راہ راست پر لانے کی دھن میں یہ بھول ہی گئے کہ شہادت علی الناس کیا ہے؟ امت وسط کے کیا فرائض ہیں اور خیر امۃ کو کس مقصد کے لیے نکالا گیا ہے؟ آپ چراغ لے کر ڈھونڈتے پھریں آپ کو ایک عالم وزہد ایسا نہیں نظر آئے گا جس کے حلقة اثر میں چینی یا جاپانی، فلپائنی یا امریکی وغیرہ سبھی شامل ہوں۔ خطیب شعلہ بیان منبر پر زور آزمائی تو کر رہا ہے لیکن اپنے ہی قرب و جوار کے کسی خطیب کے

خلاف۔ عوام کو گروہوں اور فرقوں میں بانٹ کر یوں زہر گھول دیا گیا ہے کہ کوئی ایک کسی دوسرے کی بات تک سننے پر آمادہ نہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یوں گردانتا ہے جیسے کسی دوسرے مذہب کا فرد۔ بین الاقوامی اور آفیڈ دین کو اداروں اور مکتبوں کی بنیاد پر تقسیم کرنیوالے کیا شہادت علی الناس کا فرض ادا کر رہے ہیں یا شہادتِ زور کا؟ لوگوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر پلٹن یوں پر لیے پھر نے والوں کو کیا کل عدالتِ عظیم میں پیش نہیں ہونا؟ کیا کروڑوں تشنہ لب انسانوں کے ”حق عظیم“، کو اسی طرح لوٹایا جاتا ہے؟ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنانا اگر بھی نہیں تو اور کیا ہے؟ امانت کو اس کے حق داروں کی طرف نہ لوٹانا اگر کہتا ہے حق نہیں تو اور کیا ہے؟ خدائے بزرگ و برتر تو کائنات کی افضل ترین ہستی کو منتبہ فرمارہا ہے کہ اے رسول! اگر تو نے شہادتِ حق کی امانت کو اس کے حقداروں کی طرف نہ لوٹایا تو تو نے حق رسالت ہتھ ادا کیا۔ رسالت کی تیسرا کریثی کے حاملین (یعنی امت وسط) کو کیا یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ بہت بڑے مفسرین قرآن اور مہا شیوخ الحدیث تھے؟ اپنوں کو ہی تلقین و عوظی کی صورت میں طعن و شنیع، آخر دوسروں پر بجت قائم کرنے کے لیے کیا کوئی سماوی مخلوق آئے گی؟

حکمرانوں اور علمائے کرام کے بعد تیسرا طبقہ جو کچھ اثر کا حامل ہوتا ہے وہ ہے اعیان حکومت کا، حکومت کے ملازمین کا، تو کرشماہی کے حامل ان مسلمانوں کو ہونا تو چاہیے تھا خدمت گار و مددگار لیکن یہ مخدوم و فرمادوا۔ آپ مغرب سے مشرق کی طرف سفر کر دیکھیں، مغرب میں آپ کسی دفتر میں چلے جائیں آپ کا کام ساعتوں میں بھی ہو گا اور ساتھ ہی آپ کا کام کرنے والے آپ کا شکریہ بھی ادا کریں گے کہ وہ کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت کرنے کے قابل ہو سکے۔ جو نہیں آپ مسلمان ملکوں میں داخل ہوں گے بس کایا ہی پلٹ جائے گی۔ آپ کو معاہدہ حساس ہو گا کہ کچھ حیوان گرسیوں پر بر اجہان ہیں۔ جن کا کام تنخواہ وصول کر کے لوگوں کے کاموں میں روڑے ہی الکانا ہے۔ اول تو بتا دیا جائے گا کہ متعلقہ کلرک آج چھٹی پر ہے۔ اگر کلرک کہیں سے بھولا بھٹکا آدم کا تو فال فوراً غائب۔ جب تک آپ سے چائے پانی کا عہد و پیمان ہونہ جائے گا بس ہر چیز

غائب رہے گی۔ دونوں کا کام ہفتتوں اور ہفتتوں کا کام مبینوں بلکہ سالوں میں ہوگا۔ اور کبھی بھی نہ ہو تو بعد نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق شہادت کیا مغرب کا لکر کر رہا ہے یا یہ بزم خویش بخشان جن شاپ مسلمان؟ آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں سے کون شہادتِ زور کا مرتكب ہو رہا ہے! خدا کرے آپ کو کسی تھانے تھعیل یا کچھری سے واسطہ نہ پڑے ورنہ چند منٹوں میں آپ کو روشنی ہو جائے گی کہ آپ کا واسطہ مسلمان تو درکنار انسانوں تک سے نہیں، حشیوں اور درندوں سے ہے جو ابھی آپ کی تکابوٹی کیے دیتے ہیں۔ آہ!

پھر کسی ملک میں با اثر طبقہ ہوتا ہے تاجروں کا، صنعتوں و حرفت کے مالکوں کا۔ دنیا بھر کی منڈیوں میں چلے جائیں۔ پہلے تو آپ کو کسی مسلمان کا تیار کردہ سامان ملے گا ہی نہیں اور اگر ملے گا تو ہر سابقہ پڑنے والا اس کے معیار کا شاکی ہو گا۔ کوئی پیکنگ جس پر کسی مسلمان ملک کا نام لکھا ہو گا محض اس لیے رد کر دی جائے گی کہ کیا پتہ چاۓ کی بجائے کہیں بورا ہی نہ پیک کر دیا ہو؟ شہد کی بجائے کہیں شیرا ہی سے نہ واسطہ پڑ جائے؟ کیا یہ شہادت حق ہے یا شہادتِ زور؟ کیا یہی ہے وہ امانت و دیانت کا معیار جس کی طرف دنیا والوں کو دعوت دیتی ہے؟ کیا خیرامت کو اسی لیے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے؟ کیا یہ حق کو باطل اور باطل کو حق کرنے والے میدانِ محشر میں یہی شہادت قائم کرنے کے لیے بلاۓ جائیں گے؟ دنیا میں تو آپ کا کپڑا فروخت نہیں ہوتا جب تک جاپانی دھاگے کا ساتھ ساتھ وردنہ ہو۔ آپ کا مطبع بلکہ کلینک نہیں چل سکتا جب تک ساتھ ساتھ چینی طریقہ علاج کا اشتہار نہ ہو۔ اے امت و سلط یہ کیسی شہادتِ علی انساں اور کسی دعوت الی الحق ہے؟

تحا جونا خوب بتدرنج وہی خوب ہوا

پھر آپ عام مسلمان کا جائزہ لیں۔ مسلمان ہے کیوں کسی نور دین کے گھر پیدا ہو گیا ہے، مسلمان ہے کیونکہ نام نعم اللہ ہے۔ قرآن اس لیے نہیں پڑھتا کیونکہ مگان یہ لیے بیٹھا ہے کہ یہ مولویوں ہی کے بس کی بات ہے یا اسے بتا دیا گیا ہے کہ آپ کی عقل کے خانے میں اتنی

استطاعت ہی نہیں کہ ایسا اونچا کلام سمجھ سکے۔ حالانکہ کلام خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ میں آسان ترین زبان میں آسان ترین ہدایت کا مجموعہ ہوں۔ تقریباً اسی فیصلہ مسلمان تو قرآن کو ویسے ہی اپنے مطلب کی چیز نہیں سمجھتے۔ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ بس یہ منبر و محرب والوں کی ہی اجارہ داری ہے۔ باقی میں سے اکثر اگر توجہ کرتے ہیں تو یا تو تعویذ گندے کے لیے یا اپنے حریف مکتبہ مغل کو مات کرنے کے لیے اور یا پھر مخفی دکانداری چکانے کے لیے یعنی وہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے جنہیں قرآن خود ”متاع قلیل“ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

پھر معاشرت کو لے لیجھے، ہماری بیٹھکیں (بلکہ ڈرانگ روم) اُس وقت تک نہیں سمجھتیں جب تک ان کی سچ دھیج مغرب والوں کی سی نہ ہو، ہمارے غسلخانے (بلکہ باتھروم) تبھی کچھ وقت کے حامل ہوں گے اگر انہیں دسوار سے درآمدہ ماں سے ہی سجا جائے۔ ہم جب تک اپنی بول چال میں انگریزی کو خلط ملٹنہ کر لیں، اس وقت تک ہماری شخصیت کی دھاک ہی نہیں پڑھتی۔ بلکہ مہذب کھلوانے کی دھن تو ہبھتک سفید چڑی والے کا اپنا نے پر مجبور کرتی ہے۔ چار پائی کو بید کھیں تو بات بنتی ہے، قمیض ترقی کر کے شرٹ ہو گئی ہے اور تو اور کھانے کے اوقات بریک فاسٹ، لیچ اور ڈنر کا روپ دھار گئے ہیں اور بذات خود ایسی تقریبات فناشنز۔ بچے کے لیے ابو کہنا تو گالی کے متراوف ہوا، کوئی کیا کہے گا کہ کجھ تاتفاق غیر مہذب ہے کہ ڈیٹی بھی نہیں کہہ سکتا؟

مجموعی صورتِ حال

یہ ہے وہ صورت حال جس سے امت مسلمہ آج مجموعی طور پر دوچار ہے۔ اس میں کیا شکر ہے کہ جسے ”خیرامت“ بننا تھا وہ ”شرامت“ بن کر رہ گئی ہے، جسے اللہ کی آخری کتاب ”امت وسط“ جیسے عظیم لقب سے نوازتی ہے، وہ امت اب افراط و تفریط کا روپ دھار گئی ہے، جس نے اللہ کے دین کو دوسروں تک پہنچانا تھا وہ خود اللہ کے دین کو چھوڑ کر باطل ادیان اپنانے کے درپے ہے۔ جس امت کو انہیاً ورسل کا وارث بھیا گیا تاکہ وہ رسالت و بالاغ کی تیسری کڑی کا فریضہ ادا کرے وہ خود بھک کر بلکہ ٹھٹھک کر رہ گئی ہے۔ جسے دنیا کی قوموں اور امتوں کی رہنمائی کا

کرنا تھی وہ خود چورا ہے پر کھڑی سوالیہ نشان بن گئی ہے کہ!

وَيَكُونُ مُجْهَىٰ جَوَ دِيْدَةَ عِبْرَتْ نَگَاهَ ہُو

کس بل بوتے پر یہ کل اللہ کی عدالت میں شاہد بن کر کھڑی ہو گی؟ کیونکہ ان نام نہاد مسلمانوں کے کھاتے میں ان تمام انسانوں کے گناہوں کا حصہ نہ ہو گا جن تک یہ دعوت حق پہنچانے سے قاصر ہے؟ کیا یہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم تیرے محظوظ کی امت سے ہیں؟ کیا محظوظ علیہ السلام اس دنیا میں ہی ڈنکے کی چوٹ نہیں کہہ گئے تھے کہ جو فلاں کردار رکھتا ہو وہ ہم میں سے نہیں اور جو فلاں خوبیوں کا عادی ہو، ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں؟ انہوں نے تو برملا اپنی چیزیں بیٹھی فاطمہ کو کہہ دیا تھا کہ اے فاطمہ! اللہ کے ہاں آپ کی رہائی آپ کے عملوں پر ہو گی۔ پھر یہ یہود و نصاری بھی تو اسی بھول میں تھے کہ چونکہ ہم ”فلاں“ ہیں اس لیے ہم بخشنہ بخشوائے ہیں بلکہ دوسروں تک کو دعوت دیتے تھے کہ اگر نجات حاصل کرنی ہے تو ہم میں آملوں پھر کسی عمل خیر کی ضرورت نہیں، تمہارا بوجھا باب کوئی اور ہی اٹھائے گا۔ وہ تو یہاں تک ز عمر رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا جو یہود و نصاری میں شمولیت کی سعادت حاصل نہیں کریگا کبھی جنت میں جا ہی نہیں سلتا۔ ملاحظہ ہو

قرآن:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُوَدًا أَوْ نَصْرَىٰ طِلْكَ أَمَانِيْهِمْ ط

فُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝

”ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو، یہ ان کی تمنا کیں ہیں، ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔“ (۱۱۱:۲)

اس کے برعکس قرآن ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔

بَلْ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

”(در اصل نہ تمہاری کوئی خصوصیت ہے نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملًا نیک روشن پر چلے۔ اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں،“ (۱۲:۲)

پھر چونکہ قرآن یہود و نصاریٰ کی جملہ کارستانيوں کے بعد نازل ہوا اللہ پاک نے اس میں ان کی بابت دو ٹوک اعلان فرمادیا کہ ان کا اللہ کے چیتے اور بیٹھے ہونا تو درکنار یہ اس وقت تک کسی اصل کے حامل ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے۔ فرمایا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التُّورَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رِّبِّكُمْ وَلَيَزِيدُنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رِّبِّكَ طُفِيَّاتٌ وَّكُفَّرًا طَفَّالٌ تَّأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكُفَّارِينَ ه

”صف کہہ دو کہ،“ اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجلی اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔۔۔“ (۶۸:۵)

اس میں شک کی کیا گنجائش ہے کہ ہمارا کہماں حق اور شہادت زور کا مرکب ہونے کی بناء پر آج کوئی وحی لانے والا وحی لاتا تو ضرور اعلان کروادیا جاتا کہ:

”اے مسلمانو! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو، جب تک کہ قرآن اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

روگردانی کی سزا

شہادت علی الناس کے عظیم فریضہ سے روگردانی کی بنا پر جو واقعات آخرت میں ہوں گے وہ تو ہوں گے ہی لیکن اس عظیم جرم کی پاداش میں جو ہم پر اس دنیا میں ہی بیت رہی ہے۔ ذرا

اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔

ہم مومن نہیں رہے

کتنا حق اور شہادت زور کی جو پہلی سزا ہم کوں رہی ہے وہ یہ ہے کہ آج ہم کم ازکم
مجموعی طور پر مومن نہیں رہے، ارشاد باری تعالیٰ پر غور فرمائیے۔ جس میں کہا گیا کہ غالب تم ہی ہو
گے بشرطیکہ تم مومن رہے۔ دوسرے لفظوں میں جب تم غالب نہ رہے تو سمجھ لینا کہ تم مومن بھی
نہ رہے ملاحظہ ہو قرآن:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَخْزُنُوا وَأَنْتُمُ الْأَغْلُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

”دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے“ (۱۳۹:۳)

یعنی ہمارا مومن ہونا مشروط تھا ہمارے غالب ہونے کے ساتھ اور چونکہ جیسا کہ ہم
پہلے بیان کرچکے ہیں آج ہم غالب نہیں لہذا اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ آج ہم
مسلمان ہوں تو ہوں مومن بہر حال نہیں رہے بالکل اسی طرح جس طرح سورہ الحجرات میں ایک
گروہ کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ أَمَّا طُقْلُ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلِكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلُ

الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ طَ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلْتَكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا طَ إِنَّ

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

”یہ بدھی کہتے ہیں کہ ”ہم ایمان لائے“ ان سے کہو ”تم ایمان نہیں لائے“ بلکہ تمہیں
یوں کہنا چاہیے کہ ہم مسلم (مطیع) ہو گئے ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور اگر
تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا،
یقیناً اللہ بڑا درگذر نے والا اور رحیم ہے۔“ (۱۲:۲۹)

اس آیت کے فوراً بعد یہ جانے کے لیے کہ اگر ہم مومن نہیں تو پھر مومنین کے کیا

او صاف ہیں ارکان ایمان یا صفاتِ مونین (بالکل اسی طرح جس طرح کہ ارکان اسلام یا صفاتِ مسلم پانچ ہیں) کا ذکر فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنفَسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ طَوْلَتِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

”حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کوئی شک نہیں کرتے اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں وہی سچے ہیں۔“ (۱۵:۳۹)

اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آج ایسے مومن، مسلمانوں کی پوری آبادی میں کتنے فیصد ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد پھر کوئی شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

نااتفاقی

کتمانِ حق اور شہادتِ زور کی پاداش میں جود و سری سزا ہمیں مل رہی ہے وہ ہے ہماری باہمی نااتفاقی اور ہمارا گروہوں اور فرقوں میں بٹ جانا بعد اس کے کہ ہمارے ہاں میں اور غیرہم بہایات موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں آج ہم سیاسی طور پر انتشار و افتراء تفری کا شکار ہیں تو مذہبی طور پر فرقہ بندی کے مرتكب، ایسے ہی ہونے کو رب کائنات عذاب کی ایک شکل قرار دیتا ہے ملاحظہ، و قرآن:

فَلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَسْعَكَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فُرُقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ
أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُدِيقَ بَعْضَكُمْ بِأَسْبَعِ طُنُثُرٍ كَيْفَ نُصِرَّفُ الْأَيْتَ

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۝

”کہو“ ”وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اور سے نازل کر دے یا تمہارے

قدموں کے نیچے سے، یا پھر تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزا چکھوادے۔ دیکھو، ہم کس طرح بار بار مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں شاید کہ یہ حقیقت کو صحیح۔“ (۶۵:۶)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، آج دنیا میں جہاں کہیں بھی جگ ہو رہی ہے یا جگ کے بادل منڈلا رہے ہیں وہ سب کی سب مسلمان سرزینیں ہیں، ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کو طاقت کا مزا چکھانے کے درپے ہے۔ خلیفۃ الارض کا مصر و شام اور ایران و عراق جیسے چھوٹے چھوٹے خطوں پر مطمئن ہو جانا بذات خود کتمانِ حق و شہادتی زور کا مظہر بھی ہے اور بنا بریں عذاب کی زد میں ہونے کا مظہر بھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ اس کا شیعہ و سنی اور مزید دیوبندی، بریلوی اہل حدیث وغیرہم ان گنت فرقوں میں بث جانا بیک وقت کتمانِ حق و شہادتی زور کا مظہر بھی ہے تو بنابریں عذاب کی زد میں ہونے کا مظہر بھی:

ہمارا مقدر رذلت و مسکنت

اگر ہم قولی و فعلی رسالت کا حق ادا کرتے تو آپ سے آپ ہمارا افضل و اعلیٰ مقام قائم رہتا۔ دوسرے تھی تو ہمارے فعل میں کوئی کشش پاتے جبکہ اس میں کردار کی بلندی اور اخلاق کی مٹھاس ہوتی لیکن جو نبی ہم نے اپنے اس فرض منصبی سے روگردانی کی تو ہمارے عروج کا محل بھی فوراً زمیں بوس ہو گیا۔ ہم صاغرون ہو گئے اور کئی دوسری قومیں الاعلون کا روپ دھار گئیں۔ ہم اپنے اپنے ملکوں میں رہتے ہوئے اپنی ضمیر کے مطابق زندگیاں گزارنے کے قابل نہ رہے۔ کسی قوم کو اپنی افضلیت قائم رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہیں رقبہ، آبادی اور روپیہ پیسہ۔ وقت کے اس موڑ پر یہ تینوں چیزوں مسلمانوں کے ہاں فراواں بلکہ بے مش ہیں۔ لیکن ان تینوں ذرائع کے حامل ہوتے ہوئے مسلمان ہیں کہ آج دوسروں کے دستِ گنگر، ہمیتِ ملی اور غیرتِ شخصی سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی جان کی کوئی قیمت نہیں اور ان کی آواز میں کوئی وزن نہیں؛ ڈھور ڈھگروں کی انہیں کوئی جدھر چاہتا ہے ہاں کر لے جاتا ہے۔ ایک کو مشرق کی

طرف تو دوسرے کو مغرب کی طرف۔ اس وقت دنیا میں تین نظام ہائے زندگی رواں دواں ہیں یعنی اسلام، مغربی سرمایہ دار نہ جمہوریت اور اشتراکیت۔ ان میں سے مغربی جمہوریت اور اشتراکیت تو روز افزول ترقی پر ہیں، جب کہ اسلام کے نام لیوا مسلسل پسپائی میں۔ غیر مسلم آج سپر طاقت کا حامل ہے تو مسلم ذلت و مسکنت کا شان ہے ہو سکتا ہے کوئی ہمارے اس تحریک سے اختلاف کرے اور دعویٰ کرے کہ فلاں ملک میں تو اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور فلاں مقام پر بس اسلام کا پرچم بلند ہوا ہی ہوا۔ لیکن ہماری مراد اسلام پر چلنے والوں کی تعداد سے نہیں ہے بلکہ سیاسی طور پر ان کے ایک غالب قوت نہ ہونے اور سماجی و تدنی طور پر ان کے ذلیل و خوار اور دبے ہوئے ہونے سے ہے۔ درج ذیل حقائق ہمارے اس تحریک کی بھرپور تائید کرتے ہیں:-

بین الاقوامی سطح پر اس وقت یوں ایسا اقوام متحدہ دنیا کا سب سے بر ادارہ ہے۔ سلامتی کو نسل جو اسی ادارے کا ایک حصہ ہے چند ایک مستقل اور باقی عارضی ممبران پر مشتمل ہے۔ چراغ لے کر ڈھونڈتے ہیں، آپ کو مستقل ممبران میں نظام سرمایہ داری اور سو شلزم کے علم بردار تو مل جائیں گے، اگر انہیں ملے گا تو اسلام کا نمائندہ نہیں ملے گا۔ بین الاقوامی منڈی میں کرنی یا ڈالر سے وابستہ ہے یا پونڈ سٹرینگ سے آپ کسی مسلم ملک کی کرنی اٹھائے پھریں قابل قبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس کا موازنہ بین الاقوامی سطح پر قابل قبول کرنیوں سے نہ ہو۔ یہ حالت باوجود اس حقیقت کے ہے کہ زندگی کے اس موڑ پر دنیا کی پیشتر دولت مسلم ممالک کے پاس ہے۔

کسی ایک بین الاقوامی سطح پر منعقدہ سینیما کا نام نہیں لیا جاسکتا جس کی کارروائی ایسی زبان میں ہو جو کسی مسلمان ملک کے رہنے والوں کی مادری زبان بھی ہو۔ ہاں ایسے پلیٹ فارموں پر استعمال ہوتا ہے تو ان زبانوں کا جو زیادہ تر نظام سرمایہ داری کی علمبردار ہیں یا پھر سو شلزم کی۔ اس وقت جتنے عظیم بین الاقوامی ادارے ہیں ان کے ہیڈ کوارٹرز ان ممالک میں واقع ہیں جو غیر اسلامی نظریات کے حامل ہیں۔ کیا اور لڑ بک، ایشین ڈولپمنٹ بک، ایف اے او، یونیکو یوپیسٹ ورلڈ ہیلتھ آر گنائزیشن میں سے کسی ایک کا ہیڈ کوارٹر کسی مسلم ملک میں واقع ہے؟ جواب یقیناً نہیں میں

ہے۔

دنیا کی پیشتر قوت ان ممالک میں ہے جو غیر اسلامی نظریات کے حامل ہیں کسی بھی مسلمان ملک کو اسلحہ کی ضرورت ہو تو یا اُسے ان ممالک سے بھیک مانگنا پڑتی ہے جو سو شلزم کے علمبردار ہیں یا پھر ان سے جہاں سرمایہ داری نظام کا دور دورہ ہے۔ یعنی واقعات کی دنیا میں پوری دنیا کی طاقت انہی دو کمپوں میں مجتمع ہے۔ وہ جس مسلم ملک کی پگڑی اچھالنا چاہیں اچھال دیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ان کا دستِ شفقت ہو تو مسلمان حکمران دو گھری کی نیند سو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ تختوں کا الٹانا پلٹانا تو ان کے دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دنیا کی نوے نیصد سے زیادہ صنعت ان ممالک میں ہے جو غیر اسلامی ہیں۔ کسی مسلمان کی کلائی اس وقت تک نہیں سچ سکتی جب تک گھری ان ممالک سے نہ آئے جہاں غیر اسلامی نظام نافذ ہیں۔ اور مسلمانوں کا کوئی ہوا کی اڈہ معرض وجود تک میں نہیں آ سکتا جب تک دساور سے منگوائے ہوئے جیٹ نہ ہوں۔ اور تو اور اگر غیر مسلم ممالک چند پرزوں کی سپلائی روک دیں تو مسلم ممالک کے جس شعبہ زندگی کو چاہیں چند دنوں میں مفلوج کر دیں۔

دنیا کے مسلمہ تعلیمی ادارے ان ممالک میں واقع ہیں جو غیر اسلامی ہیں وہ چاہیں تو کسی مسلم ملک کے کسی تعلیمی ادارے کی ڈگری کو شرف قبولیت بخشش، نہ چاہیں تو ایسی تمام ڈگریوں کی حیثیت بے معنی۔ مسلمان ممالک کا وہی ڈاکٹر، انجینئر یا سائنسدان اپنے ساتھیوں میں کلاو افتخار بلند کر سکتا ہے جس کی سند پر بیرونی اور غیر مسلم ممالک کی یونیورسٹیوں کی مہر ہو ورنہ کوئی دوسرا آسمان کے ستارے بھی توڑ لائے بے وقوف ہی گردانا جائے گا۔ اسی طرح آپ کے سر برآورہ اور صاحبِ ثروت لوگوں کی بیماری رفع ہوتی ہے تو ان ہسپتالوں میں جو غیر مسلم ممالک میں واقع ہیں۔

دنیا میں آج تہذیب و تمدن کی فرمازوائی ہے تو ان ممالک کی جو غیر اسلامی ہیں۔ آپ اگر ایسے حیوان کو دیکھیں جو زبان بولتا ہو تو سفید چڑی والے کی لبجہ اختیار کرتا ہو تو انگریز کا لباس پہنتا ہو تو فرگی کا رسم و رواج کا پابند ہو تو دوسروں کا تو سمجھ بیجتے کہ یہ مسلمان ہے۔ آج کے مسلمان

کے بیڈروم اس وقت تک نہیں سج سکتے جب تک ان پر غیر اسلامی معاشروں کی چھاپ نہ ہو۔ اس کے ڈرائینگ روم اور باتھروم میں داخل ہوں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پرس و نیویارک کی کوئی بلڈنگ ہے اور تو اور جب تک کھانستے اور چھینک مارتے وہ وہ الفاظ منہ سے نہ ادا کرے جو غیر اسلامی نظریات کے حامل افراد کرتے ہیں تو ایسا غیر مہذب قرار پائے جسے آداب کی ہوا تک نہیں لگی۔ اس کے بچے منہ سے جو اولین الفاظ نکالیں۔ وہ ”غمی“ اور ”ڈیٹی“، ہوں ورنہ کہنے والے کہیں گے کہ او جی آپ کے بچے تو بس جوشی کے حصی ہیں۔

اس وقت دنیا کے وہ علاقوں جہاں کسی نہ کسی طور جنگ ہو رہی ہے یا جو قتل و غارت اور استھصال کی زد میں ہیں وہ صرف اور صرف مسلمان ممالک ہیں۔ فلسطین ہو یا افغانستان، عراق ہو یا ایران، شام ہو یا لبنان گھر لٹک رہا ہے تو مسلمان کا اور گرت بن رہی ہے تو اسلام کے پیروکار کی حقیقت میں آج کی بڑی طاقتوں نے مسلمان ممالک کو اپنی تحریج گا ہیں بنا رکھا ہے۔ جہاں وہ اپنے نت نئے تیار کر دہ تو پ و قنگ کی کار کر دگی کو آزماتے ہیں۔ از رانی ہے۔ تو مسلمان کے خون کی اور ویرانی ہے تو مسلمان کے گھر کی۔

آخر میں علامت کے طور پر آپ نے آج کے مسلمان کی ذلت و رسوانی کو جانچنا ہوتا ہے بس دنیا کے متول ترین عربوں کا مٹھی بھرا سر ائمیوں سے پٹناد کیا ہے۔ بیچاروں کی حالت ان لاکھوں جانوروں سے مختلف نہیں جو ڈرے میں بند ہوں اور ان کا مالک جب چاہے ان کو ہا نک کر کبھی ایک کونے میں اکٹھا کر دے اور کبھی دوسرا میں۔ بے بس و بے زبان۔

الغرض ہماری مجموعی حالت آج اس حالت سے مختلف نہیں، جس کی نشاندہی ہادی برحق اور خبر صادق علیہ السلام نے یوں کی تھی۔

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ پھر تم دعائیں کرو گے لیکن قبول نہ ہوں گی۔“

الحق صفرہ ہستی پر اس ہولناک تبدیلی کا وقوع پذیر ہونا یعنی خیرامتہ کے حاملین کا کم از کم مجموعی طور پر مومن نہ رہنا، گروہوں میں بٹ جانے والے عذاب کی زد میں ہونا اور الاعلوں سے صاغرون اور ارزلوں کا روپ دھارنا ممکن ہوا ہے ہمارے دوسروں کو دعوت الی الحق دینے کی وجہے خود تعلیمات اسلام سے روگردانی کی بنا پر۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا کوئی حل ہے اور اگر ہے تو کیا؟

پس چہ باید کرد

ابھی درِ توبہ کھلا ہے۔ مراجعت ممکن ہے کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کیا جاسکتا ہے وقت کا دھارا پکار کر چھبھوڑ رہا ہے کہ مسلمان اٹھ، ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی پیان کر خود "جبل اللہ" کو تھام اور اور روں کو ان کا "حق عظیم" لوٹا۔ مسلمان حکمرانو! منبر و محراب کے وارثو! خیرامت کے حاملو! دنیا کی چند روزہ لذتوں اور جھوٹی شانوں کے عوض لازوال ابدی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لینا کوئی دانا کی تو درکنار بہت ہی بڑے گھائٹے کا سودا ہے۔ اس دنیا کی حد تک اگر مفادات قربان کرنے پڑتے ہیں، کرو، ان پر ضرب پڑتی ہے، پڑنے دو، اس میں کیا شک ہے کہ یہاں کی ہر ناکامی فتح ہو گی کامیابی پر اگر آخرت میں فوز العظیم کی سعادت ہو جائے۔ ٹھہرو، سوچو اور پھر ایک منصوبہ بندی سے آگے بڑو۔ امت کا ہر چھوٹا بڑا اصلاح احوال کی ٹھان لے تو مدد کرنے والا مدد کریگا۔ (ان تصریحات اللہ بنصر کم)

ہماری اس یاد ہانی کو تازیانہ بھرت سمجھو، خلافت قائم کرو دین فطرت کو ہر کس ونا کس تک پہنچانے کا بندوبست کرو اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھو جب تک دین میں باطل ادیان پر غالب نہیں ہو جاتا۔

عظیم تر اسلامی مملکت یعنی "دارالسلام" کو معرض وجود میں لاو، قرآن و نقشہ عالم پر ایک عظیم تر اسلامی مملکت یعنی "دارالسلام" کو معرض وجود میں لاو، قرآن و سنت کو اس مملکت اسلامیہ کا دستور بناؤ (مزید تفصیلات کے لیے ہماری دوسری تصنیف بعنوان "نظام خلافت" اور "

مضامین خلافت، ملاحظہ فرمائیں) قیامت کا زمانہ بہت عظیم حادثہ ہوگا، اس دن ہر دو دھپلانے والی اپنے دو دھپیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حالمہ کا حمل گر جائے گا، گمان کرنے والا گمان کرے گا کہ لوگ مددوں ہیں، حالانکہ وہ سخت عذاب کی زدیں ہوں گے۔ ہماری انتباہ ہے، پکار اور دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ ایسا وقت آنے سے پہلے نہ صرف دوسروں سے ہمدردی کر لیں بلکہ خود اپنے ہمدرد بھیں۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے، اسی میں ہمارے رب کی رضاہ ہے اور یہی ہمارا فرض بلکہ مقصد وجود ہے۔